

اختلافِ امت اور مسلکِ اعتدال

فقہی مسائل میں ہمارا موقف :

مسائل پر غور کیا جائے تو انہیں تین انواع پر تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

(۱) متفق علیہ مسائل مثلاً فرائض اور ضروریاتِ دین، کہ ان کے بارے میں تقریباً امت کا

اتفاق ہے۔

(۲) وہ مسائل جن میں اختلافِ تنوع ہے۔ مثلاً ادعیہ استفتاح، دعائے تہجد، عدکلمات

اذان و تکبیر اور بسم اللہ، جہراً پڑھی جائے یا آہستہ؟ قرأتِ قرآن وغیرہ۔ ان مسائل میں جن پر دل مطمئن ہو اور بے ادھر کی روشنی میں راجح سمجھا جائے عمل کر لیا جائے صحیح ہے۔

(۳) وہ مسائل جن میں توفیق و تطبیق مشکل ہے، مثلاً عورت کو چھونے سے وضو کا ٹوٹنا،

یا مس ذکر سے، خون نکل آنے اور اونٹ کا گوشت کھانے سے وضو کا ٹوٹ جانا۔ نماز میں

سورۃ فاتحہ وغیرہ ایسے مسائل جن میں تطبیق ممکن نہیں۔ ان مسائل میں غور و فکر اور تحقیق کی ضرورت

ہے۔ جو دلائل کے اعتبار سے صحیح اور احوط ہیں اسے اختیار کیا جائے اور جو غیر صحیح ہو اسے

بلا تردد چھوڑ دیا جائے۔

ہمیں اس سے انکار نہیں کہ مؤخر الذکر نوع کے مسائل میں بھی اختلاف، صحابہ کرام کے

زمانہ سے چلا آتا ہے۔ مگر ہم فریقین کو عند اللہ اختلافِ اجتہاد کی بنا پر مأجور سمجھتے ہیں۔

دونوں کو مصیبت نہیں سمجھتے۔ کیونکہ حق ہمیشہ ایک ہوتا ہے اس میں تعدد نہیں۔ علامہ

ابن عبد البر نے جامع بیان العلم میں اس پر بڑی نفیس بحث کی ہے اور صحابہ کرام، تابعین

عظام اور ائمہ مجتہدین کے قیادی و عمل سے ثابت کیا ہے کہ حق منقسم نہیں ہوتا۔ اشہب بن

عبد العزیز امام مالک سے نقل کرتے ہیں :

”ما الحق إلّا واحد قولان مختلفان لا يكونان صواباً جميعاً ما الحق و الصواب إلّا واحد قال أشهب وبه يقول الليث“

(جامع بيان العلم مشہد، ۸۹ ج ۲)

کہ حق ایک ہی ہوتا ہے دو مختلف قول کبھی صحیح نہیں ہوتے۔ کیونکہ حق و صواب صرف ایک ہے اشہب فرماتے ہیں کہ امام لیث کا بھی یہی قول ہے۔
صواب کرام اور تابعین عظام کے مابین فقہی مناقشات کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

”ولو كان الصواب في وجهين متدافعين فاختار السلف بعضهم بعضاً في اجتهادهم وقضائهم وفتواهم والنظر بأبي ان يكون الشيء و عنده صواباً كله“

”اور اگر دونوں مختلف صورتیں صحیح ہوتیں تو سلف اجتہادات و قضایا اور فتاویٰ میں ایک دوسرے کو خطا پر قرار نہ دیتے۔“

لہذا مختلف فقہی مسائل میں اہل علم کو چاہئے کہ حق و صواب کو تلاش کریں اور دلائل کے اعتبار سے جو صواب ہو اسے اختیار کریں (اور لوگوں کو اس کے تلقین کریں) خواہ مجتہدین میں سے وہ قول کسی کا بھی کیوں نہ ہو۔ کیوں کہ حق کسی ایک ہی مجتہد کے اقوال میں دائر نہیں۔ مثلاً ہم عورت کو چھونے سے وضو ٹوٹنے کے قائل نہیں جیسا کہ امام ابو حنیفہ کا قول ہے۔ اور مس ذکر کے متعلق امام شافعی کا قول کہ وضو ٹوٹ جاتا ہے صحیح سمجھتے ہیں۔ اور اونٹ کا گوشت کھانے سے وضو کرنے کے قائل ہیں جیسا کہ امام احمد فرماتے ہیں۔ ہمیشہ صرف ایک ہی مجتہد کے اقوال کو صحیح سمجھنا نہ عملی طور پر ممکن ہے اور نہ ہی اولہ اس کی مؤید ہیں۔ بلکہ علامہ شعرانی تو فرماتے ہیں:

”لا يكمل لمومن العمل بالشرعية كلها و هو متقلدا بمذاهب ابدال“

کہ ”مومن اگر ہمیشہ ایک ہی مذہب کی تقلید کرے تو کامل شریعت پر عمل نہیں کر سکتا۔“
(المیزان الکبریٰ ص ۲۳ ج ۱)

اور یہ ایسی بدیہی بات ہے جس کا کوئی ذی علم انکار نہیں کر سکتا۔ مگر بڑا ہوا تقلید و جمود کا جو انسان کو اس بات پر مجبور کرتا ہے کہ اپنے امام کے قول کو بہر حال صحیح باور کراتا ہے، خواہ اس کے لیے کتنی ہی رکبک سے رکبک تاویل کرنی پڑے۔ جیسا کہ علامہ صالح الغلانی نے

متحدین حضرات! عموماً یہی شیوہ بتلایا ہے۔ ملاحظہ ہو (ایفاظہم اولى الابصار) بلکہ حدیث کے علاوہ اکثری نے تو یہ اصول ہی بنا ڈالا کہ :

۱۔ ص آیت تخالف قول اصحابنا فانها تحمل على النسخ اوعلى الترجيح والاولى ان تحمل على التاويل من جهة التوفيق ان كل خبر يجئ بخلاف قول اصحابنا فانه يحمل على النسخ اوعلى ائمه معارض بشئله ثم صار الى دليل اخر اوترجيح فيه بما لا يجتبه به اصحابنا من وجوه الترجيح الخ (اصول کرخی مع اصول بزدوی ص ۳۴ مطبوعہ کراچی) یعنی ”ہر آیت جو ہمارے اصحاب (یعنی ائمہ) کے خلاف ہے وہ نسخ یا ترجیح پر معمول ہوگی اور بہتر یہ ہے کہ اسے توفیق و تطبیق کی وجہ سے تاویل پر معمول کیا جائے اور جو حدیث ہمارے اصحاب کے قول کے خلاف ہو وہ نسخ پر معمول ہوگی یا سمجھا جائے گا کہ اسی کے ہم مثل اس کے معارض دلیل ہوگی۔ پھر اس دلیل کی طرف رجوع کیا جائے گا یا جس سے ہمارے اصحاب نے استدلال کیا ہے وہ ترجیح کے اعتبار سے اسے راجح سمجھا جائے گا“

غور فرمایا آپ نے، کہ آیت و حدیث ہمارے اصحاب کے خلاف ہو تو آیت و حدیث کی تاویل ہوگی اور کسی نہ کسی صورت میں آیت و حدیث کو ان اقوال کے مطابق کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ معاذ اللہ لیوں محسوس ہوتا ہے، گویا قول اصحاب اصل ہے یا انھما معصوم عن الخطاء ہیں کہ ان کا ہر قول و فتویٰ صحیح ہے۔ ورنہ ان کے خلاف آیت یا حدیث کی تاویل یا نسخ وغیرہ پر معمول کے کیا معنی؟ اور کیا یہ اصول اس کا بھی آئینہ دار نہیں کہ ”ہمارے اصحاب سے کوئی فرمان نبوی یا دینی مسئلہ کی وضاحت فوت نہیں ہوئی۔ حالانکہ علامہ لکھنوی لکھتے ہیں :

”فات العلم بكل جزئی من جزئیات الدین لیس من شان الیثم“

کہ ”دین کی ہر ایک جزئی کا علم انسانی شان کے مطابق نہیں“ (سعیۃ ص ۱۵)

انسان آخر انسان ہے۔ ضعیف و کمزوری اس کا فطری نقص ہے۔ ”خلق الانسان ضعیفا“

لہذا کسی امتی کے بارے میں اس قسم کا تصور انتہائی غلو بلکہ خطرناک جسارت ہے۔ مولانا فضل اللہ جیلانی مصنف ”فضل اللہ احمدی فی شرح الادب المفرد“ فیستأفرماتے ہیں :

حدیث کی عظمت بہر طور ملحوظ رکھنی چاہیے، غضب کی بات ہے کہ جہاں صاف اور صریح

قوی حدیث موجود ہو اس سے صرف نظر کر کے محض حنفی مسلک کو ثابت کرنے کے لیے مرامات اور کمتر درجہ کی حدیثوں سے استدلال کیا جائے۔ ”.....“ امام ابو حنیفہؒ کی عظمت مسلم مگر انوار نبوت کو حنفیت میں مفید نہیں کیا جاسکتا۔ (ماہنامہ الحق ص ۵۲، ۵۴ ج ۵ شماره ۳ دسمبر ۱۹۷۹ء)۔

کاش ہمارے مقلدین بالخصوص اکابر دیوبند اس نصیحت پر عمل کریں، مگر ادھر جو مال ہے اس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ تعصب و تقلید کے داعیوں کے اس کردار کا تذکرہ علامہ محمد حیات ندویؒ نے تحفۃ الامام، شاہ ولی اللہ نے حجتہ الشہ، اور علامہ الغزالی نے ”ایفاظ ہمہ اولی الابصار“ میں بڑے تاسف سے کیا ہے۔ شاہ صاحب اپنی ایک دوسری تصنیف میں لکھتے ہیں :

”وترى العامة سيما اليوم في كل قرية يتقيدون بمذاهب من مذاهب المتقدمين يرون خروج الانسان من مذهب من قلدہ ولو في مسئلة كالخروج من الملة كانه نبى بعث اليه. وافترضت طاعته عليه“ (تفهيمات ص ۱۵۱)

کہ ”تم آج کل ہر قریہ میں عوام کو دیکھو گے کہ وہ متقدمین میں سے کسی ایک مذہب کے پابند ہیں اور کسی انسان کا اس سے خروج، ملت سے خروج کے مترادف سمجھتے ہیں گویا وہ امام ان کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہے اور ان پر اس کی اطاعت فرض ہے۔“ اور علامہ عبد الوہاب شعرائی لکھتے ہیں :

”قال لی بعض المقلدین لو وجدنا حدیثا فی البخاری و مسلم لم یأخذ به امامی لا عمل به، وذلك جهل منه بالشریعة واول من یتبرأ منه امامه“ (السیزان الکبریٰ ج ۱ ص ۱۷۱)

کہ ”مجھے بعض مقلدین نے کہا کہ اگر میں کوئی حدیث بخاری اور مسلم میں ایسی پاؤں کہ جس پر میرے امام نے عمل نہیں کیا تو میں بھی اس پر عمل نہیں کروں گا لیکن یہ قول اس کی شریعت مطہرہ سے ناواقفیت پر مبنی ہے اور سب سے پہلے اس کا امام اس سے اظہار بیزاری کرے گا۔“

اس سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ فقہی مسائل میں یہ جمود و تعصب محض تقلید کے نامعود دور کی پیداوار ہے۔ صحیح صورت حال وہی تھی جو خیر القرون اور خود ائمہ مجتہدین کے دور میں تھی۔ ائمہ مجتہدین اپنے اقوال سے دلائل کی بنا پر رجوع کرتے رہے اور ان کے تلامذہ دلائل ہی کی روشنی میں اپنے شیوخ سے اختلاف کرتے رہے اور یہی انداز بعض سعید روحوں میں آخر دور تک قائم رہا کہ ”قلیل ماتذکرون“ اور ”قلیل من عبادی الشکور“ جس کا انکار کسی بھی ذی علم سے ممکن نہیں۔

اجتہاد اور تقلید — کیا ائمہ اربعہ کے علاوہ کوئی مجتہد نہیں؟

ائمہ اربعہ یعنی امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کا مجتہد ہونا مسلم۔ مگر اس کے یہ معنی قطعاً نہیں کہ ان سے پہلے یا بعد کوئی مجتہد نہیں ہوا۔ حضرات صحابہ کرام کے بعد سعید بن مسیب، عروہ، قاسم بن محمد، خارجہ بن زید، عبید اللہ، سلیمان بن یسار، ابو یوسف بن عبد الرحمن یہ وہ سات فقہار مدنیہ ہیں جن کے متعلق محمد بن یوسف حنفی المتوفی ۲۱۲ھ کہتے ہیں:

”الا من لا یفتدی بأئمة - فقسمت حنیفی من الحق خارجه“

فخذ ہم عبید اللہ، عروہ، قاسم، سعید، ابوسنیان بخارجۃ“

یعنی خبر دار جو ان چھ ائمہ کی اقتدار نہیں کرتا اس کی قسمت کھوٹی اور وہ حق سے خارج ہے اور وہ ہیں :- عبید اللہ، عروہ، قاسم، سعید، ابوسنیان اور خارجہ۔ ان کے علاوہ امام زہری، شعبی، عطاء، طاؤس، حسن بصری، ابن سیرین، مکحول دمشقی، اوزاعی، ابراہیم النخعی، حماد، سفیان الثوری، ابن ابی لیلیٰ، ربیعہ، لیث، ابن مبارک، اسحاق بن راہویہ وغیرہ وہ بزرگ ہیں جو ائمہ اربعہ سے پہلے یا ان میں سے بعض کے معاصر ہیں۔ اپنے وقت کے امام، فقیہ، مجتہد اور مفتی تھے جیسا کہ تاریخ و تراجم کی کتابوں سے عیاں ہوتا ہے۔ امام لیث مصری کے متعلق تو امام شافعیؒ نے یہاں تک کہہ دیا ہے کہ:

”اللیث افقہ من دالک“ کہ لیث مالک سے زیادہ فقیہ ہیں۔

اور یہی قول امام ابن بکر سے بھی منقول ہے۔ (تہذیب ص ۲۳۶) ائمہ اربعہ کے بعد جن حضرات کو مجتہدین کی فہرست میں شمار کیا گیا ان میں امام ابن جریر طبری، امام البخاری، امام داؤد۔ ۱۵ یہ علوہ بات ہے کہ بحکیرت عیدین کے متعلق خود احناف کا مسلک فقہاء سبعہ کے موافق نہیں۔ فقہاء سبعہ تو ابوبکرؓ زائدہ کے قائل ہیں۔ ملاحظہ ہو نزل الاوطار ص ۲۱۰ وغیرہ۔ مگر احناف مصر میں چھ کے قائل ہیں۔

ظاہری، امام ابن خزمیہ، ابو ثور، یعنی بن محمد سر فہرست ہیں۔ علامہ ذہبی نے سیر النبلاء ص ۱۱۰ و ص ۱۱۱ میں مجتہدین کی ایک طویل فہرست دی ہے۔ ان کے علاوہ علامہ سیوطی نے حسن الحاضرہ ص ۱۶۱ میں ایک باب مستقل طور پر ”ذکر من کان بمصر من ائمة المجتہدین“ کے نام سے ذکر کیا ہے۔ جس میں تابعین سے لے کر اپنے دور کے ۷۷ مجتہدین کا ذکر کیا ہے۔ علامہ ابن حزم نے اصحاب الفقیاء کے نام سے ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جس میں صحابہ کرام کے بعد اپنے دور تک کے مجتہدین کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ مکہ کے ۲۱، مدینہ کے ۶۰، شام کے ۳۱، بصرہ کے ۹۷، کوفہ کے ۹۱، مصر کے ۱۹ اور دیگر علاقوں کے ۴۴ مجتہدین کا نام بنام ذکر کیا ہے۔ اور یہ رسالہ جوامع السیر کے ساتھ مطبوع ہے۔ علامہ سیوطی اپنے فتاویٰ میں لکھتے ہیں کہ امت میں بے شمار مجتہد گزرے ہیں اور جمع تابعین کے بعد بھی بہت سے صاحب مذاہب مجتہد ہوئے ہیں۔ اور گزشتہ سالوں میں دس مذاہب رائج تھے۔ چنانچہ مذاہب اربعہ کے علاوہ مذاہب سفیان ثوری، مذاہب اوزاعی، مذاہب اللیث، مذاہب اسحاق، مذاہب ابن جریر، مذاہب داؤد بھی جاری تھے۔ مگر پانچویں صدی کے بعد تصور ہمت کی بنا پر باقی مذاہب ختم ہو گئے۔ الحادوی للسیوطی ص ۱۵۶۔ لیکن شیخ الاسلام ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

”امام سفیان ثوری، ابو اہل عراق کے امام اور اکثر ائمہ کے نزدیک اپنے اقراں مثلاً ابن ابی لیلیٰ، حسن بن صالح، ابو حنیفہ وغیرہ سے بڑے مرتبہ کے تھے، کا مذاہب خراسان میں آج تک موجود ہے۔ اسی طرح امام اسحاق اور امام داؤد کا مذاہب بھی آج تک چل رہا ہے بلکہ مشرق و مغرب میں داؤدی مسلک کے پیروکار اکثر ملتے ہیں۔“

(الفتاویٰ الکبریٰ ص ۳۷۷)

اور یہ کون نہیں جانتا کہ سید الطائفہ۔ شیخ جنید بغدادی امام ابو ثور کے اقوال پر فتویٰ دیا کرتے تھے (تاریخ بغداد ص ۲۲۶) علامہ ذہبی کا تذکرہ اور سخاوی کی ”الفتاویٰ اللامعہ“ اٹھا کر دیکھ لیجئے، آپ بے شمار حضرات کے تراجم میں امام مجتہد یامیہ کہ ”وہ کسی کی تقلید نہ کرتے تھے“ کے الفاظ لکھے ہوئے پائیں گے۔ علامہ شوکانی کی ”ابدر الطالع“ میں بیسویں مقامات پر یہ جملہ آپ کو ملے گا ”حل عنقہ عن عری التقلید“ لہذا اس تاریخی تسلسل کے

۱۔ مقدمہ کتاب التعلیم کے عالی مہنت نے سوہن مشیر سندھی نے بھی تسلیم کیا ہے کہ اکثر ”دورِ راود“ یزدجرد، جہاز قلادہ بعض اہل ہمدان بھی ثوری مذاہب کے متبع ہیں (مقدمہ کتاب التعلیم)

باوجود یہ رٹ لگائے جاتا کہ ائمہ اربعہ کے بعد کوئی مجتہد نہیں ہوا۔ محض کورجینٹی اور تقلید و جمود کا نتیجہ ہے۔ علامہ عبدالحی مکنوسی نے ان حضرات کی بڑی پرزور تردید کی ہے جو اس بات کے مدعی ہیں کہ ائمہ اربعہ کے بعد کوئی مجتہد نہیں پایا جاتا۔ دیکھتے ہیں:

”علامہ مکرالعلوم نے مخرج تحریر الاصول میں کہا ہے کہ بعض متعین نے جو یہ کہا ہے کہ اجتہاد مطلق ائمہ اربعہ کے بعد ختم ہو گیا ہے اور ان کے بعد کوئی بھی مجتہد مطلق نہیں پایا جاتا اور اجتہاد فی المذہب علامہ نسفی مؤلف کسندر پر ختم ہو گیا ہے تو یہ قول غلط اور اندھیرے میں تیر چلانے کے مترادف ہے اگر ان سے پوچھا جائے کہ تمہیں اس بات کا علم کیسے ہوا تو وہ اس کی ہرگز کوئی بھی دلیل پیش نہیں کر سکیں گے۔ پھر بلکہ یہ قول ائمہ ذوالجلال کی قدرت کاملہ پر بھی تحکم ہے انہیں یہ کہاں سے علم ہوا کہ قیامت تلک ائمہ تعالیٰ مقام اجتہاد تک پہنچنے کی فضیلت کس کو عطا نہیں فرمائے گا۔ خبردار ایسے نقصب اور ہٹ دھرمیوں سے بچو اور مشرعی مسلم الثبوت میں ہے کہ کچھ لوگ ایسے ہیں جنہوں نے کہا ہے کہ علامہ نسفی کے بعد زمانہ مجتہد سے خالی ہے اور اس سے وہ اجتہاد فی المذہب ملو لیتے ہیں اور اجتہاد کے متعلق کہتے ہیں کہ وہ ائمہ اربعہ پر ختم ہو چکا ہے۔ یہاں تک کہ انہوں نے امت پر چاروں میں سے ایک کی تقلید واجب قرار دے دی ہے۔ لیکن ہنا کلمہ ہوس من ہوسا تھہ۔“

”یہ ان کی ہوسوں میں سے ایک ہوس ہے“ ان کے کلام کا کوئی اعتبار نہیں یہ ان لوگوں میں سے ہیں جن کے متعلق حدیث پاک میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ انہوں نے بے علمی میں فتویٰ دیا۔ سو وہ خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا اور یہ لوگ یہ بھی نہیں جانتے کہ اس قسم کی باتیں ان پانچ باتوں میں سے ہیں جنہیں ائمہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی نہیں جانتا۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ جو ائمہ اربعہ کے اجتہاد مطلق کے انقطاع کا مدعی ہے وہ غلطی اور خبط میں مبتلا ہے کیونکہ اجتہاد اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے اور وہ کسی مخصوص فرد یا مخصوص زمانہ پر منحصر نہیں

لہ جیسا کہ لدھیانوی صاحب نے لکھا ہے۔ ص ۴۵ (دھتہ دوم)

اور جو یہ کہتا ہے کہ اجتہاد کا امکان تو ہے مگر نفس الامر میں وہ ختم ہو چکا ہے تو اگر اس کا یہ مقصد ہے کہ ائمہ اربعہ کے بعد جمہور کسی مجتہد کے اجتہاد پر متفق نہیں ہوئے تو یہ مسلم ہے ورنہ مجتہد مستقل ائمہ اربعہ کے بعد بھی ہوئے ہیں، مثلاً امام ابو ثور بخاری، امام داؤد ظاہری، امام محمد بن اسماعیل بخاری وغیرہ جیسا کہ کتب طبقات کے مطالعہ کرنے والوں پر محض نہیں ہے۔ (النافع البکیر ص ۱۸)

علامہ مکتوی کے اس بیان سے ان حضرات کے اس قول کی کمزوری واضح ہو جاتی ہے کہ تیسری صدی کے بعد امت میں کوئی مجتہد مطلق پیدا نہیں ہوا۔ یہ بات کہ ائمہ اربعہ کے بعد بڑے بڑے ائمہ حنفی ہیں یا شافعی و حنبلی تو یہ بھی محض ایک واہمہ ہے، اس قسم کا انتساب ان ملائے کرام کے ساتھ طریقہ اجتہاد اور طرز استدلال میں موافقت کی وجہ سے ہے نہ کہ تقلید کی وجہ سے۔ امام محمد اور قاضی ابو یوسف بھی محض اسی بنا پر حنفی ہیں ورنہ فروع کے علاوہ اصول میں بھی انہوں نے امام ابو حنیفہ کی مخالفت کی ہے، علامہ مکتوی شیخ شہاب الدین حنفی سے نقل کرتے ہیں:

”و لکن واحد منهم اصول مختصة تفردوا بها عن ابي حنيفة و خالفوه فيها“۔ (النافع البکیر ص ۹۹)

کہ ان میں سے ہر ایک کے مخصوص اصول ہیں جنہیں انہوں نے امام ابو حنیفہ کی مخالفت کی ہے۔

قارئین کے ملاحظہ کا احساس رہتا تو ہم موطا امام محمد اور اختلاف ابی حنیفہ و ابن ابی لیلیٰ لابی یوسف سے ان مسائل کی نشاندہی کرتے اور استاذ کے مقابلہ میں ان کے شاگردان رشید کے استدلال کا تذکرہ بھی کرتے۔ ہم یہاں صرف نمونہ کے طور پر امام محمد کا ایک قول نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں جو انہوں نے مسئلہ وقت کے متعلق کیا ہے چنانچہ علامہ السنخ لکھتے ہیں:

”وفند استبعدا محمد رحمه الله قول ابي حنيفة في الكتاب لهذا و ساءه تحكما على الناس من غير حجة... وقال ولو جاز التقليد

علامہ مکتوی نے جو یہ فرمایا ہے کہ مجتہد مطلق تو ہوئے مگر جمہور کسی کے اجتہاد پر متفق نہیں ہوئے تو اس کا سبب صرف یہ ہے کہ ائمہ اربعہ کے متبعین کے علاوہ دیگر مذاہب کو نقل سلطانی حاصل نہ ہو سکا تفصیل کے لیے دیکھئے اللہ شاہ والی السبل الرشید علامہ مکتوی کے علامہ علامہ شحرانی نے بھی اس کو پرشدید مکتہ چینی کی ہے دیکھئے المیزان الکبریٰ ص ۱۹۱، ۱۹۲

كان من معنى من قيل ابى حنيفة مثل الحسن البصرى و ابراهيم الخنفي
رحمهما الله اجري ان يقلدا

کہ ”امام احمد نے امام ابو حنیفہ کے قول کو کتاب“ میں بعید قرار دیا ہے اور اس کا نام
تحکم اور سینہ زوری رکھا ہے اور اگر تقلید جائز ہوتی تو جو حضرات امام ابو حنیفہ
سے پہلے گزرے ہیں مثلاً حسن بصری اور ابراہیم الخنفي وہ زیادہ حقدار ہیں کہ ان
کی تقلید کی جائے۔“ (المبسوط للسرخسی ص ۲۸ جلد ۱۲)

تو اب اس کے بعد بھی انہیں حنفی ہی قرار دینا تحکم اور سینہ زوری نہیں؟ اسی طرح امام طحاوی
بھی حنفی معروف ہیں حالانکہ علامہ کھنوی سمجھتے ہیں کہ :

”وهو اختيارات في الاصول والفروع -“ (دلائل المكيه ص ۱۰۰)
کہ اصول وفروع میں ان کے مختار اقوال ہیں
علامہ کاشمیری رقمطراز ہیں :

”والطحاوي امام مجتهد ومجدد“

کہ ”طحاوی امام مجتہد مجتہد ہیں (العرف الشدي ص ۴۷)

بلکہ جب ان کی قاضی ابو عبید بن جرومہ کے ساتھ ایک مسئلہ کے بارے میں گفتگو ہوئی تو
انہوں نے صاف صاف کہہ دیا کہ :

”اوكل ما قال ابو حنيفة قول فقال ما ظننت الا مقلدا اقلته وهل
يقلد المعنى فقال لي او غبي“

”کیا امام ابو حنیفہ کا ہر قول میرا قول ہے تو انہوں نے کہا قاضی صاحب ہیں تو انہیں
مقلد سمجھتا ہوں تو میں نے کہا تقلید تو وہی کرتا ہے جو گنہگار ہے یا غبی کم عقل ہے“
(لسان المیزان ص ۲۷ ج ۱)

ائمہ شافعیہ میں سے اسی قسم کے خیالات کا اظہار علامہ ابو بکر القفال، شیخ ابو علی اور قاضی حسین
وغیرہ نے کیا ہے چنانچہ علامہ کھنوی سمجھتے ہیں :

”وقد نقل عن ابى بكر القفال وابى علي والفاضل حسين من الشافعية منهم
قالوا لنا مقلدين للشافعية بل وانق رأينا رأيد الخ -“

کہ امام ابو بکر القفال، ابو علی اور قاضی حسین جو شوافع میں شمار ہوتے ہیں، سے

منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا ہم امام شافعی کے مقلد نہیں بلکہ ہمارا اجتہاد

ان کے اجتہاد کے موافق ہے۔ ”النافع الکبیر ص ۱۱۱“

اسی نوعیت کا تصور امام نسائی، امام بیہقی وغیرہ ایسے محدثین کے منقول ہے کہ وہ شافعی تھے۔ حالانکہ اس کا سبب بھی امام شافعی کے اجتہاد سے ان کی موافقت ہے جیسا کہ شاہ ولی اللہ نے حجۃ الاسلام ج ۱ میں صراحت کی ہے۔ زور رنگ کا لباس امام شافعی جائز قرار دیتے ہیں۔ مگر حافظ ابن حجر جو شافعی معروف ہیں، لکھتے ہیں کہ یہ حدیث معروف کے خلاف ہے۔

”قال البيهقي فدل على الشافعي افعال به اتباع السنة كعادته“

اور امام بیہقی نے کہا کہ:

”امام شافعی کو اگر یہ حدیث پہنچ جاتی تو وہ اپنی عادت کے مطابق سنت کی

اتباع کرتے۔“ الحج (فتح الباری ص ۲۰۳ ج ۱۰)

امام شافعی ”صلوٰۃ وسطیٰ“ سے مراد صبح کی نماز لیتے ہیں۔ مگر محققین علمائے شافعیہ نے احادیث کی بنا پر ان سے اختلاف کیا ہے۔ بلکہ علامہ الماوردی نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ امام شافعی کا اپنا قول ہے کہ جب حدیث صحیح ہو اور میں نے اس کے خلاف فتویٰ دیا ہو ”فانا راجع عن قولی“ تو میں اپنے قول سے رجوع کر لوں گا۔ لہذا جب یہ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ صلوٰۃ وسطیٰ سے مراد عصر کی نماز ہے تو امام شافعی کا بھی یہی قول قرار دینا چاہیئے۔

(تغییر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۹۲)